حضور مفتی اعظم

ایک عظیم فقیہ ایک عظیم مجاہد

علامہ قمر الزماں خاں اعظمی رضوی

برائے ایصالِ ثواب: مرحومہ بسم اللہ حجن زوجہ مرحوم محمد یوسف

نوری مشن مالیگاؤں

پیش کش: رضا لائبریری مالیگاؤں

وارثِ علومِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

نبیرۂ حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ جانشین مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ

جگر گوشۂ مفسر اعظم رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام والمسلمین قاضی القضاۃ تاج الشریعہ

مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری رحمۃ اللہ علیہ

اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے دیگر علمائے کرام

کی تصنیفات اور حیات و خدمات کے مطالعہ

کے لئے وزٹ کریں

www.muftiakhtarrazakhan.com

/muftiakhtarrazakhan1011/

/muftiakhtarraza

+92 334 3247192

تاج الشریعہ فاؤنڈیشن

www.muftiakhtarrazakhan.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضور مفتی اعظم ایک عظیم فقیہ ایک عظیم مجاہد

علامہ قمر الزماں خاں اعظمی مدظلہ العالی

[سکریٹری جنرل، ورلڈ اسلامک مشن، لندن، برطانیہ]

ہندوستان کی سرزمین جو اپنے رقبے اور آبادی کے اعتبار سے دُنیا کے درجنوں ممالک سے زیادہ وسیع وعریض ہے اور برصغیر کے نام سے متعارف ہونے کے باوجود نو دریافت براعظموں سے زیادہ آبادی کی حامل ہے۔ ہندوستان ان قدیم ترین ملکوں میں شامل ہے جس کی تاریخ ہزاروں سال پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کثیر آبادی والے ملک میں داعیانِ اسلام اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں جلوہ گر ہوئے۔ ان داعیانِ اسلام کی کوششوں سے پہلی اور دوسری صدی ہجری میں اسلام اس سرزمین پر ایک عظیم مذہب اور نظامِ حیات کی حیثیت سے متعارف ہو چکا تھا۔ اس دور میں داعیانِ اسلام اور مسلم تاجروں کے ہاتھوں پر لاکھوں افراد اسلام قبول کر چکے تھے۔ بت کدۂ ہند میں اسلام کے فروغ کے ساتھ ساتھ توحید اور اصنام پرستی کی کشمکش کا آغاز ہوا اور اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ردِ عمل کے طور پر باطل قوتیں اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ اس عظیم دین سے برسرِ پیکار ہو گئیں۔ ہزاروں باطل خداؤں، سینکڑوں تہذیبوں اور لاتعداد رسوم ورواج کی حامل ہندو قوم کی ایک معتد بہ تعداد نے اسلام قبول کیا تو اکثریت نے اسلام دُشمنی کی انتہا کر دی اور اہلِ حق کو ہر دور میں ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ مگر جامِ توحید پینے والے دیوان گانِ عشق نے ہر ستم گوارا کر لیا مگر دینِ حق سے انحراف گوارا نہ کیا۔

اس کی یہ خوبی عہدِ رسالت سے لے کر آج تک نمایاں ہے کہ جس نے ایک بار سچے دل سے اسلام قبول کر لیا وہ اس دینِ حق سے واپس باطل کی طرف لوٹنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

چنانچہ داعیانِ دین اور اولیاے کرام کے ایک طبقے نے اسلام کی دعوت دی اور غیر مسلموں کو اسلام میں داخل فرمایا تو دوسری طرف علماے ملتِ اسلامیہ اور مجددینِ اُمّت نے دین پناہی کا فریضہ انجام دیا، اور ہر دور میں اُٹھنے والے فتنوں کا پوری قوت اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا۔

کبھی اس ملک کے راجاؤں نے اپنے اپنے دورِ اقتدار میں مسلمانوں کو بت پرستی کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی اور کبھی ان کی متحدہ قوت نے موحدین کے خلاف ہر طرح کے ظلم وستم کو روا رکھا۔ ابتداءً مال ودولت کی لالچ دی گئی، اقتدار پیش کیا گیا مختلف علاقوں کی صوبہ داری کی تحریص وترغیب دی گئی، لیکن مسلمانوں نے جب مال ودولت اور دُنیاوی اقتدار کو پاے حقارت سے ٹھکرا دیا تو پھر ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے، ان کا معاشرتی بائی کاٹ کیا گیا۔ مگر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہو سکے۔اس لیے کہ اللہ رب العزت نے اپنے دین کی اشاعت اور حفاظت کے لیے داعیانِ اسلام علما اور اولیا کو اس سرزمین پر بھیجا۔انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی روحانی قوت سے باطل کو شکست دی بلکہ ان کے مذہبی ''فلسفۂ ویدانت'' کا جواب بھی اسلام کے ''عملی تصوف'' سے دیا۔صوفیاے کرام کا تصوف ''خالص اسلامی تصوف'' تھا اور ''احسان'' کی اعلیٰ ترین شکل تھی۔

پنجاب کی سرزمین پر کفر کے شدید غلبے اور ظلم وستم کے دور میں حضور داتا گنج بخش سیدنا مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نفسِ گرم اور روحانی تاثیر سے لاکھوں غیر مسلموں کو اسلام کے دائرے میں داخل فرمایا اور تصوف کی پہلی کتاب ''کشف المحجوب'' کی تالیف کے ذریعہ اس ملک میں تصوف کی راہ پر چلنے والوں کے لیے ایک نصابِ عمل بھی ترتیب دیا۔''کشف المحجوب''اس محبوبِ حقیقی کے جلوؤں سے آشنائی اور اسی مستورِ ازل کی صفات کے مشاہدے کے لیے ایک اہم کتاب ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کی روحانی عظمت کا یہ حال تھا کہ وصال کے بعد بھی ان کا مزارِ مقدس، طالبانِ حقیقت کو اپنی طرف متوجہ کرتا رہا، چنانچہ سلطان الہند خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان مدینۃ الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور بغداد مقدس کے سفر سے واپسی کے بعد ہندوستان کے خطۂ اجمیر میں قیام سے پہلے لاہور میں مزارِ داتا گنج بخش پر معتکف اور چلہ کش رہے اور چالیس روز تک کسبِ فیض کے بعد یہ اعتراف کرتے ہوئے عازمِ اجمیر ہوئے کہ ؎

گنج بخش فیضِ عالَم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہ نما

شہاب الدین غوری کی شکست کے بعد عطاے رسول خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ ہندوستان میں وارد ہوئے۔ان کا ورودِ مسعود ایک ایسے دور میں ہوا جب مسلمان شکست خوردہ ہو چکے تھے اور پورے ملک بالخصوص راج پوتانہ کی سرزمین ان کے لیے مقتل بن چکی تھی۔نفرتوں کا یہ عالَم تھا کہ وہ کنوؤں سے پانی بھی نہ بھر سکتے تھے اور نہ ہی ان تالابوں میں غسل کر سکتے تھے جہاں غیر مسلم آباد تھے، ایسے نازک وقت میں حضور غریب نواز علیہ الرحمہ نے اپنی روحانی قوت سے باطل قوتوں کا مقابلہ کیا اور ان کی مساعیِ جمیلہ نیز ان کے روحانی تصرف سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو راجاؤں کے ظلم وستم سے نجات ملی بلکہ لاکھوں ہندو مسلمان ہوئے اور شہاب الدین غوری کو فتح ونصرت ملی۔

ہندوستان کی سرزمین چوں کہ پنڈتوں، جوگیوں، پروہتوں اور پجاریوں کی آماج گاہ تھی، ان کا اپنا ایک فلسفۂ مذہب تھا، جس کو ''ویدانت'' کے نام سے جانا جاتا ہے، جس میں روحانی ارتقا کے مختلف اسالیب کی وضاحت کی گئی ہے، اس لیے خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ نے اس سرزمین پر اسلام کی اشاعت کے لیے کثرتِ عبادت، ریاضت، چلہ کشی، دُنیا سے بے رغبتی وغیرہ کو شاملِ نصابِ دعوت فرمایا تاکہ داعیانِ اسلام روحانی اعتبار سے اس مقامِ بلند پر فائز ہوں جہاں دوسرے مذاہب کے لوگ نہ پہنچ سکیں۔چنانچہ ان کا مقابلہ ہندو جوگیوں سے ہوا، مگر خواجہ اپنے روحانی تصرفات کی بنا پر غالب رہے۔اس طرح انھوں نے غیر مسلموں پر واضح فرما دیا کہ روحانیت کی اعلیٰ ترین منزلیں صرف اسلام اور عقیدۂ توحید کے ذریعہ طے کی جا سکتی ہیں۔

روحانی اعتبار سے اصنام پرستوں کو شکست فاش دینے کے بعد آپ نے خواب کے ذریعہ سلطان شہاب الدین غوری کو ہندوستان آنے کی دعوت دی۔اس نے راجاؤں کی متحدہ فوج کو شکست فاش دی۔بعد میں سینکڑوں سال تک مسلمانوں کا سیاسی غلبہ اور اقتدار انھیں کے فتوحات کا تسلسل تھا۔

خواجۂ خواجگاں نے نہ صرف اپنے دور میں اسلام کی اشاعت کے لیے جدوجہد فرمائی بلکہ آپ کی خانقاہ تصوف کی ایک ایسی تربیت گاہ تھی جس سے بے شمار لوگ تربیت یافتہ ہوکر کشورِ ہند کے تمام علاقوں میں پھیل گئے اور انھیں کی روایات پر عمل کرتے ہوئے اشاعتِ اسلام کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔

غریب نواز علیہ الرحمہ کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ مستقبل میں ایک طویل زمانے تک دہلی مسلم فرماں رواؤں کا دارالسلطنت رہے گا، اور ایک مدت تک مسلم فرماں روا وہاں تخت نشین رہ کر پورے ملک میں حکمرانی کا فریضہ انجام دیں گے، اس لیے سلاطین کی روحانی اور اخلاقی تربیت اور مسلمانوں کو دینِ حق پر استقامت بخشنے کے لیے آپ نے اپنے روحانی فرزند اور جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو دہلی کا قطب الارشاد بنا کر متعین فرمادیا۔ انھوں نے اپنے دور کے حکمراں شمس الدین التمش کی دینی تربیت فرمائی۔

جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ پنجاب کی سرزمین باب الہند ہے اور افغانستان نیز وسطِ ایشیا بالخصوص سمرقند و بخارا، ازبکستان، تاجکستان وغیرہ کے مسلم فاتحین اور صوفیہ اسی راستے سے ہندوستان میں وارد ہوتے ہیں تو انھوں نے خواجہ فریدالدین گنج شکر علیہ الرحمۃ والرضوان کو پورے پنجاب کا منصب خواجگی عطا فرما کر پاک پٹن شریف روانہ فرمایا اور خواجہ فریدالدین گنج شکر نے پورے پنجاب کو سیراب فرمایا۔ آج بھی خطۂ پنجاب میں مشائخِ چشت کی درجنتوں خانقاہیں انھیں کی مرہونِ منت ہیں۔ اور جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد دلی کا روحانی تخت خالی ہوگیا تو خواجہ فریدالدین گنج شکر علیہ الرحمہ نے حضرت نظام الدین اولیا علیہ الرحمہ کو وہاں متمکن فرمایا، اور اس طرح دلی کی امانت دلی کو واپس فرمادی۔ خواجہ نظام الدین اولیا کے دور میں متعدد مسلم حکم راں دلی کے تاج وتخت پر قابض ہوئے۔ ان میں کچھ آپ کے معتقد تھے اور کچھ آپ کی شہرت سے حسد کرتے تھے، جو معتقد تھے وہ بارگاہِ نظام سے نوازے گئے اور جو حسد کرتے تھے اور ان کے قتل کے درپے تھے انھیں۔ ہنوز دلی دوراست۔ کا مشہور جملہ ارشاد فرما کر زندگی اور اقتدار دونوں سے محروم فرمادیا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے اپنی خانقاہ میں روحانی تربیت دے کر درجنوں اولیاے کرام کو منصبِ دعوت و تبلیغ پر فائز فرمایا اور پھر ان اولیاے کرام نے دلی کو بائیس خواجگان کی سرزمین بنادیا۔

حضرت نظام الدین اولیا علیہ الرحمہ کی بارگاہ کے تربیت یافتہ اولیاے کرام نے صرف دہلی ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان کو نوازا۔ ہندوستان میں جہاں جہاں کفر و اسلام کی کشمکش تھی اور جو خطے اس دور میں سیاست میں نمایاں مقام رکھتے تھے، وہاں سلسلۂ چشتیہ کے فیض یافتہ بزرگوں نے پہنچ کر اسلام کا پرچم بلند فرمایا اور لوگوں کو دائرۂ اسلام میں داخل فرمایا۔ چنانچہ حضرت بندہ نواز گیسودراز علیہ الرحمہ کو دکن کی روحانی سلطنت سپرد کی گئی۔ حضرت علاء الحق پنڈوی علیہ الرحمہ کو بنگال کا روحانی اقتدار بخشا گیا، اور اس طرح اس طویل وعریض ملک کے طول وعرض میں تبلیغ ودعوت کا ایک منظم نظام نافذ کیا گیا۔

جب تک مسلمانوں کا اقتدار رہا، اور مسلم بادشاہوں میں جو لوگ دین دار اور خداترس تھے انھوں نے مسلمان علما اور صوفیہ کی اعانت کی اور ان کی تعلیم وتربیت سے فیض یاب رہے۔ وہ کامیاب وکام راں رہے، مگر چند مسلم سلاطین ایسے بھی تھے جنھوں نے اپنے اقتدار کو طول دینے کی غرض سے دین کو پسِ پشت ڈال دیا، اور اس بات کی کوشش کی کہ ایک ایسا مذہب رائج کیا جائے جو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لیے قابلِ قبول ہو، یہ ان کی ایک سیاسی ضرورت تھی۔ چنانچہ مغل بادشاہ اکبر اعظم

نے اپنے دور میں چند دین فروش دانش وروں کو جمع کر کے ایک نئے مذہب ''دینِ الٰہی'' کی بنیاد رکھی۔ اسلام اور ہندومت اور دیگر مذاہب کا ایک معجون مرکب تیار کیا اور خود کو اس نئے دین کا بانی قرار دیا اور بادشاہت کے زور سے اس نے باشندگانِ ہند کو اس نئے دھرم کی طرف مائل کرنا چاہا، مگر اس دور کے علمائے حق نے اکبر کے اس باطل دھرم کی شدت سے مخالفت کی۔ اس دور میں علما کی گرفت مسلم عوام پر بہت مضبوط تھی اس لیے اکبر اپنے اس منصوبے میں کامیاب نہ ہوسکا، البتہ اس کے کچھ اثرات جہاں گیر کے دورِ اقتدار تک باقی رہے۔ اس دور میں بہت سی دوسری بدعات کو رواج دیا گیا۔ بہت سی ہندوانہ رسموں اور تیوہاروں کو حکومت کی سرپرستی میں عام کیا گیا۔ بادشاہ کے لیے ''سجدۂ تعظیمی'' ضروری قرار دیا گیا۔ ایسے دور میں حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ نے دینِ الٰہی اور دیگر بدعات وخرافات کے استیصال کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے ذریعے سلسلۂ نقشبندیہ کو بہت فروغ حاصل ہوا اور ہندوستان کے علاوہ افغانستان، ترکی نیز وسطِ ایشیا کی تمام مسلم ریاستوں میں یہ سلسلۂ بیعت وارشاد پھیلا اور تاہنوز اس کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

سلسلۂ چشتیہ اور نقشبندیہ کے علاوہ سلسلۂ قادریہ کے علما اور مشائخ اور اولیا نے صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دُنیا میں اشاعتِ اسلام کا فریضہ انجام دیا۔ سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے دامن سے وابستہ اولیاے کرام نے برِ اعظم ایشیا، یورپ اور افریقہ کے تمام ملکوں میں اشاعت اور تجدیدِ دین کا اہم ترین فریضہ انجام دیا۔

چنانچہ آج بھی پوری دُنیا میں حضور غوث الاعظم کے دامنِ کرم سے وابستہ مشائخ کے سلسلے -قادری، تیجانی، بداوی اور شاذلی- کے نام سے متعارف ہیں، اور آج پوری دُنیا میں انھیں کی اکثریت ہے۔ ہندوستان میں مسلم حکومتوں کے زوال کے ساتھ ساتھ باطل قوتوں نے زور پکڑا اور اسلام کو بیخ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے ہر چہار جانب سے حملے ہونے لگے تو علما اور مشائخ نے ع

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر ''رسمِ شبیری''

کا فریضہ انجام دیا اور برصغیر کے طول وعرض میں علمائے اہلِ سنت نے مدارسِ اسلامیہ کا جال پھیلا دیا۔ افغانستان کی سرزمین سے لے کر بنگال کی سرزمین تک ہزاروں درس گاہیں قائم کی گئیں اور ان درس گاہوں کی علمی اور فکری سرپرستی اُس دور کے اکابر علما نے فرمائی۔ چنانچہ ہندوستان میں علمِ حدیث کو متعارف کرانے والی شخصیتوں میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ ان کے خانوادے نے علم کی اشاعت میں نمایاں کارنامے انجام دیے، اور ان علما نے ایسے وقت میں ملتِ اسلامیہ کی متزلزل دیواروں کو سنبھالا جب ہندوستان میں مسلم اقتدار اپنی آخری سانس لے رہا تھا۔

حکومتِ مغلیہ کے زوال کے بعد مسلم ہندوستان کے طول وعرض پر انگریز قابض ہوگئے اور صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دُنیا کے بیش تر مسلم ممالک یورپین اقوام کے زیرِ نگیں آگئے، اور کالونیوں میں تبدیل ہوگئے اور پھر ۱۸۵۷ء کا وہ اَلمیہ پیش آیا جس میں بیش تر علمائے اہلِ سنت کو جہادِ حق کی پاداش میں سولیوں پر لٹکایا گیا، یا انڈمان اور دوسرے جزائر میں قیدِ تنہائی کی حالت میں جامِ شہادت نوش فرمایا، ان مجاہدینِ آزادی میں حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کی ذات سب سے نمایاں ہے۔ علمائے اہلِ سنت کی شہادت یا ان کے ملک بدر ہونے کے بعد میدان، دُشمنانِ اسلام کے ہاتھ آگیا اور مسلمانوں کا دفاعی مورچہ کم زور پڑ گیا اور اسلام پر ہر طرف سے یلغار ہونے لگی۔

انگریزوں نے غیر مسلموں کو یہ تاثر دیا کہ ہم نے اس ملک کی اکثریت کو مسلم اقلیت کے اقتدار اور مسلم سلاطین کے مظالم سے نجات دلائی ہے اور اس جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے مسلم حکم رانوں پر مندر شکنی اور غیر مسلموں کو بہ زورِ شمشیر اسلام میں داخل کرنے کے الزامات عائد کیے۔ اس طرح یہاں کی ہندو اکثریت کو مسلم دُشمنی پر اُبھارا، جس کے اثرات آج بھی بہت نمایاں ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کے عقیدے اور تعلق باللہ والرسول۔ کو کم زور کرنے کے لیے ایسی درس گاہیں قائم کی گئیں جن میں انگریزوں کے وفادار پیدا ہوں اور ان سے ایسی تحریریں لکھوائی گئیں جو ایک طرف نام نہاد مسلمانوں میں اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رُجحانات کی حوصلہ افزائی کریں، تو دوسری طرف مسلمانوں کی متحدہ قوت کو اختلاف وانفاق کا شکار بنا دیں تاکہ دوبارہ علماے حق جہادِ آزادی کا نعرہ لگا کر انگریزوں کو اس ملک سے نکلنے پر مجبور نہ کر سکیں۔ ایسے پُرفتن دور میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کو پیدا فرمایا، جن کے تجدیدی کارناموں نے دُشمنانِ اسلام کے ناپاک عزائم کو شکست دی، انھوں نے اسلام اور عظمتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے لیے چومکھی جنگ لڑی اور۔ جہاد بالقلم۔ کے ذریعہ باطل فتنوں کی سرکوبی کی، اور کم وبیش ایک ہزار کتابیں تالیف فرما کر ملتِ اسلامیہ کے اہلِ علم اور ان کی لائبریریوں کے حوالے فرما دیا، ان کتابوں میں دلائل کے وہ انبار لگا دیے جو صبحِ قیامت تک اُٹھنے والے تمام فتنوں کا جواب بن سکیں۔ انھوں نے صرف کتابیں ہی نہیں لکھیں بلکہ حضور غوث الاعظم وخواجۂ خواجگاں علیہما الرحمۃ والرضوان کی سنتِ طیّبہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے تلامذہ کی ایک عظیم جماعت تیار کی، جس کا ہر فرد اس دور کے علوم وفنونِ متداولہ کے ہر علم وفن کا امام تھا۔ ان شخصیات میں امام العارفین رئیس الاتقیا مفتی اعظم حضرت مولانا محمد مصطفی رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات سب سے نمایاں اور ممتاز ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فرزند تھے بلکہ حقیقی طور پر ان کے علم، تقویٰ، ان کی غیرتِ دینی، جلالتِ شان اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہرِ کامل تھے۔ وہ ایک عظیم فقیہ، عظیم محدث، عظیم متکلم، عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ولی کامل اور عظیم مرشدِ طریقت تھے۔ امامِ اہلِ سنت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ نے اپنے منصبِ ولایت کو اپنے تفقہ کی چادر میں پوشیدہ رکھا تھا، ورنہ حقیقتاً وہ ایک مجددِ وقت کے ساتھ ایک فنافی الرسول، صاحبِ جذب وشوق، ولی کامل تھے، انھوں نے اپنی وارداتِ قلبی اور اپنے مشاہداتِ باطنی کو اپنے اشعار میں نمایاں فرمایا ہے۔ مثلاً ؎

پیشِ نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے

یا

اے شوقِ دل یہ سجدہ گران کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجیے کہ سر کو خبر نہ ہو

لیکن امامِ اہلِ سنت کی شخصیت کا یہ پہلو۔ حضور مفتی اعظم۔ کی ذات میں بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ حضور مفتی اعظم کے نزدیک توحید محض ایک لفظ نہیں جس کو صرف زبان سے ادا کیا جائے بلکہ ایک کیفیت ہے جو انسان کو جملہ موجودات اور ممکنات کے تعین سے بیگانہ کر دیتی، چنانچہ جب وہ نماز پڑھنے کے لیے خدا کی بارگاہ میں کھڑے ہوتے تھے تو ایک خاص کیفیت ان پر طاری ہوتی تھی، جس کا مشاہدہ ان سینکڑوں حاضر باش افراد نے کیا ہے جنھوں نے انھیں نماز ادا فرماتے ہوئے دیکھا ہے۔ وضو اس

www.muftiakhtarrazakhan.com

طرح فرماتے کہ گویا وہ اپنے محبوبِ حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے طہارتِ کاملہ کے ذریعہ خود کو نکھار رہے ہوں۔ سنن و مستحبات اور تمام جزئیات کا کامل اہتمام فرماتے تھے۔ عمامہ شریف سر پر رکھتے اور عبا زیب تن فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ اس مسجودِ حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے خود کو آراستہ کر رہے ہیں، کہ کہیں کوئی بٹن کھلا نہ رہ جائے، کہیں کوئی آستین مُڑی نہ رہ جائے اور کہیں گریباں چاک حاضری کا الزام نہ عائد ہو جائے، کہیں لاابالی پن اور کسل نہ نمایاں ہو، اس لیے کہ یہ سب ایمان اور محبت کے تقاضے کے خلاف ہے۔ نماز کی کیفیت کا یہ عالَم تھا کہ محسوس ہوتا تھا کہ کانک تراہ کے کیفِ سرمدی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ؎

دو عالَم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

خادم نے شدید گرمی کے موسم میں جب وہ حالتِ نماز میں تھے پنکھا جھلنا شروع کر دیا تو سلام پھیرنے کے بعد سخت ناراض ہوئے کہ ایک بندۂ عاجز اپنے خدا کی بارگاہ میں حاضر تھا اور تم میری خدمت کر رہے تھے۔ کیا ایک غلام اپنے آقا کے حضور میں کسی خدمت گار کو لے کر حاضر ہو سکتا ہے؟

لوگ خدا کو شہید و بصیر مانتے ہیں مگر مفتی اعظم کی ذات پر خدا کے شہید و بصیر ہونے کا احساس اس قدر غالب تھا کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس کے حضور میں حاضری کے احساس سے غافل نہیں تھے۔ کسی نے سوال کیا کہ حضرت آج کے ماڈرن دور میں بعض مقامات پر سنت کے مطابق کھانا کھانے سے ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے، جواب عطا ہوتا ہے کہ: تم کو لوگوں کا احساس ہے مگر یہ احساس نہیں کہ تم رزاقِ مطلق کا رزق کھا رہے ہو اور تم اس کے بندے ہو۔ کیا ایک بندہ اپنے آقا کے حضور میں کبر و نخوت کے انداز سے کھانا کھا سکتا ہے؟

کسی نے ضعف کی وجہ سے آپ کے ہاتھ میں لرزش محسوس کی اور وضو کے لیے لوٹے سے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالنا چاہا تو منع فرما دیا اور فرمایا کہ: وضو نماز کے اہتمام کا ایک حصہ ہے، یہ بھی عبادت ہے اور عبادت غیر مقصودہ میں بھی حتی الامکان کسی غیر سے مدد نہیں لینا چاہیے۔

سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سفر و حضر میں اوقاتِ مستحبہ میں نماز کی ادائیگی کا اہتمام خود بھی فرماتے اور رفقائے سفر نیز خدام حاضر باش کو بھی حکم دیتے تھے۔ حاضر باشوں میں اگر کسی کی نماز گھر پر بھی قضا ہوتی تو سرکار مفتی اعظم محسوس فرما لیتے اور بوقتِ ملاقات چہرۂ اقدس پر ناگواری کے آثار نمایاں ہوتے اور خادم محسوس کر لیتے کہ نماز قضا ہو گئی ہے اس لیے حضرت ناراض ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے اسے خدائے پاک کی بارگاہ سے یہ توفیق ملتی ہے کہ اس کی نماز کبھی قضا نہ ہو۔ چنانچہ یہ دیکھا گیا ہے کہ سرکار مفتی اعظم اگر پلیٹ فارم پر نماز ادا فرما رہے ہیں اور ٹرین روانہ ہو گئی مگر آپ نماز میں اسی محویت کے عالَم میں مصروف رہے، لیکن ٹرین اسٹیشن کے حدود سے باہر نہیں نکل سکی بلکہ بعض تکنیکی خرابی کی وجہ سے روک دی گئی۔ آپ نے نماز کمالِ اطمینان و خشوع و خضوع کے ساتھ ادا فرمائی اور ٹرین پر بیٹھ گئے تو ٹرین روانہ ہوئی۔ وصال سے قبل کم و بیش دو سال تک صاحبِ فراش رہے اور کیفیتِ خاص سے دوچار رہے جو بہت سے اولیائے کرام کو وصالِ محبوبِ حقیقی سے پہلے حاصل ہوتی ہے، یہ مشاہدۂ انوارِ الٰہی کی کیفیت ہے۔ اس حالت میں سالکانِ راہِ طریقت کو دُنیا سے بے نیاز کر دیتی ہے، حضور

www.muftiakhtarrazakhan.com

مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا یہ حال تھا کہ لوگ آپ سے ملنے کے لیے آتے مگر آپ انھیں پہچانتے نہیں۔ کبھی کبھی ایک ہی فرد سے کئی کئی بار پوچھتے کہ آپ کب آئے ہیں؟ مگر قربان جایے۔ جب نماز کا وقت داخل ہوتا تو مکمل شعور کے ساتھ بیدار ہوجاتے، پورے اہتمام سے وضو فرماتے اور انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا فرماتے۔ کچھ لوگ منتظر رہتے، آپ انھیں مرید فرماتے اور بستر پر دراز ہوتے تو پھر اسی عالَم میں چلے جاتے۔

تقسیمِ ہند کے بعد حالات انتہائی ابتر ہوگئے تھے۔ پورے ملک میں قتل وغارت گری کا بازار گرم ہوگیا تھا، لوگ پاکستان کے وجود کا انتقام ہندوستان کے مسلمانوں سے لے رہے تھے، کچھ لوگوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ بھی پاکستان منتقل ہوجائیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کو بے یار ومددگار چھوڑ کر میں اپنی ذات کے لیے پاکستان کیسے جاسکتا ہوں؟ اور پھر یہاں مزارِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ بھی تو ہے۔

بعض خیر خواہوں نے مشورہ دیا کہ محلہ سوداگران میں صرف آپ کا خاندان مسلم ہے ورنہ پورا محلہ غیر مسلموں کا ہے۔ آپ چند روز نماز گھر میں ہی ادا فرمالیں۔ مبادا کہیں نقصان نہ پہنچ جائے؟ تو آپ نے ناراضی کا اظہار فرمایا کہ دُنیا کا کوئی خوف مجھے اللہ کے گھر میں حاضری سے نہیں روک سکتا۔

ہندوستان میں ہوائی جہاز کے سفر کو اس لیے بہتر فرمایا کہ کم وقت میں منزلِ مقصود پر پہنچا دیتا ہے اور نماز قضا ہونے کا خوف نہیں رہتا۔

صرف نماز ہی نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں آپ عزیمتوں پر ہی عامل رہے، آپ نے رُخصتوں سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ دراصل آپ کا سفرِ حیات عزیمتوں کا سفر تھا، آپ اولوالعزم فقہا اور اولیا میں سے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے کبھی تقاضاے شریعت سے انحراف گوارہ نہ کیا۔

آج کا دور اباحیت پسندی اور تن آسانی کا دور ہے، لوگ حرام اشیا کو مباح قرار دینے کے لیے طرح طرح کے حیلے تراشتے ہیں لیکن حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا موقف یہ تھا کہ تم اگر عزیمت کا راستہ اختیار کروگے تو لوگ رُخصت پر رُک جائیں گے لیکن اگر تم نے رُخصت کو اپنایا تو لوگ حرمت سے اجتناب نہ کرسکیں گے۔

حالات کا دباؤ کتنا شدید کیوں نہ ہو، آپ نے ہمیشہ اولیٰ پر عمل فرمایا اور فتویٰ بھی دیا، آپ کے معمولات اور فتاویٰ میں خلافِ اولیٰ پر عمل اور حکم نہیں ملتا اور ایسا کیوں نہ ہو؟ اولیاے کرام خلافِ اولیٰ کو بھی گناہ شمار کرتے تھے اور اس سے توبہ کرتے تھے۔ مسلم پرسنل لا کا مسئلہ ہو یا گاؤکشی کا، برتھ کنٹرول کا مسئلہ ہو یا شاردا ایکٹ کا طوفان، آپ نے حالات کے دباؤ یا کسی نقصان کے خوف سے کوئی حکم صادر نہیں فرمایا بلکہ پُرسکون حالات میں جن رعایتوں کو ملحوظِ خاطر رکھا جاسکتا تھا، آپ نے اس کا بھی خیال نہیں فرمایا بلکہ پوری قوت اور ایمانی استقامت کے ساتھ حق کی حمایت میں فتویٰ صادر فرمایا، جب کہ بہت سے لوگوں نے حالات کی خوف ناکی کو سامنے رکھ کر جواز کا حکم دیا یا نظرِ ثانی کی دعوت دی۔ سرکار مفتی اعظم نے نہ صرف یہ کہ فتویٰ صادر فرمایا بلکہ ان فتاویٰ کی بھرپور اشاعت فرمائی اور مسلمانانِ ہند کو استقامت کی تلقین فرمائی۔

بہت مشہور قول ہے الاستقامة فوق الکرامة مگر مفتی اعظم صاحبِ استقامت اور صاحبِ کرامت دونوں تھے، بلکہ ان کی کرامتیں بھی ان کی استقامت کے ذریعے ظہور پذیر ہوئیں۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

رجالُ الغیب اور جنات کے بارے میں اکثر علما فرماتے ہیں کہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔خود میرا اپنا مشاہدہ ہے غالباً ۱۹۵۸ء کی بات ہے کہ حضور مفتی اعظم میرے گاؤں خالص پور اعظم گڑھ میں جلوہ گر ہوئے۔سعید خان صاحب کے چبوترے پر قدم رکھتے ہی السلام علیکم فرمایا اور فرمایا: آپ کے مکان میں دو مہمان تو پہلے ہی سے موجود ہیں۔اب اہلِ خانہ کو خیال آیا کہ بالائی منزل کے دروازے خود بخود کس طرح کھل جاتے تھے اور کبھی کبھی اوپر کے کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس کیوں ہوتا تھا۔صاحبِ خانہ نے پوچھا کہ حضور ان سے کوئی نقصان تو نہیں ہوگا؟ آپ نے فرمایا نہیں۔بہت اچھے لوگ ہیں۔بس آپ بالائی منزل صاف ستھری رکھیں تاکہ انھیں ایذا نہ پہنچے۔آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے اس بات کے شاہد ہیں کہ آپ انتہائی مہربان اور بہت کریم تھے۔آپ کے دروازے پر ضرورت مند حاضر ہوتے تو آپ خود ان کی ضرورت پوری فرما دیتے اور کبھی کبھی خدامِ بارگاہ کو حکم دیتے کہ ان کی ضرورت پوری کر دیں۔

خورد نوازی کا یہ عالَم تھا کہ ہم جیسے کم مایہ لوگ بھی ان کے الطافِ کریمانہ سے محروم نہ رہے۔سفر و حضر میں اپنے خدام کا خاص خیال رکھتے اور وہ دستر خوان پر موجود نہ ہوتے تو میزبان کو حکم دیا جاتا کہ انھیں بھی بلایا جائے۔راے پور کے ایک اجلاس میں میری تقریر ہو چکی تھی کہ لوگ آقاے نعمت حضور مفتی اعظم کو اسٹیج پر لائے،آپ منتظمین اجلاس پر ناراض ہوئے کہ آپ لوگ مجھے پہلے کیوں نہ لائے؟ میں ان کی تقریر سننا چاہتا تھا۔

جبل پور میں حضور برہان ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی دعوت پر سرکار مفتی اعظم کی معیت میں حاضر ہوا۔مجھے خطاب کا حکم دیا گیا،میں نے اس خیال سے اختصار سے کام لیا کہ اسٹیج پر دوسرے علما بھی جلوہ گر ہیں،کہیں میں ان کا وقت نہ لے لوں،مگر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے مجھے حکم دیا کہ میں دوبارہ تقریر کروں۔ظاہر ہے یہ ساری نوازشات صرف میری حوصلہ افزائی کے لیے تھیں ورنہ۔من آنم کہ من دانم۔بس ایک بات سرمایۂ افتخار ہے کہ ع

نسبتِ ذرہ بہ خورشید جہاں تاب است

خلافِ شریعت بات پر سخت ناراض ہوتے لیکن اظہارِ ناراضی کے بعد لطف و کرم کی بارش بھی فرماتے اور سائل کو اس کی طلب سے سوا دیتے۔حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی مسیحا نفسی بے پناہ مشہور تھی۔لوگ ان کی بارگاہ میں تعویذات کی غرض سے حاضر ہوتے اور شفایاب و کام راں لوٹتے۔ملک و بیرون ملک کے لاکھوں افراد اس بات کے گواہ ہیں۔انھیں حضور مفتی اعظم کے تعویذات اور دعاؤں سے بے پناہ فائدہ پہنچا ہے۔لاکھوں افراد حضور مفتی اعظم کے تعویذات کی برکتوں سے دین دار اور پابندِ صوم وصلوٰۃ ہو گئے۔اس لیے کہ ہر طالب کو۔نماز کی پابندی۔اور۔شریعت مطہرہ۔پر عمل کی تلقین فرمایا کرتے تھے،ان کے بیش تر تعویذات آیاتِ قرآنیہ پر مشتمل ہوتی تھیں اور تعویذ لکھتے وقت ان آیات کی تلاوت بھی جاری رہتی تھی۔اس طرح وہ مسلسل ذکر کی حالت میں رہتے ''دست در عمل و زبان در ذکر'' کی کیفیت ہمیشہ دیکھی جا سکتی تھی۔لوگ ان کی بارگاہ میں تعویذ لینے کے لیے آتے اور عقیدہ و عمل کی زندگی سنوار کے جاتے تھے۔ہزاروں افراد نے تعویذ کی برکتوں سے بدعقیدگی سے توبہ کی اور ہمیشہ کے لیے ان کے دامنِ عقیدت سے وابستہ ہو گئے۔

۱۹۷۶ء میں انگلینڈ سے پہلی بار وطن واپس ہوا اور آقاے نعمت مرشدِ گرامی کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس وقت آپ مسجد میں تھے میں نے قدم بوس ہونا چاہا،مگر انھوں نے گلے سے لگا لیا اور فرمایا بہت دنوں کے بعد آئے ہو۔مسجد میں نماز کی ادائیگی کے

www.muftiakhtarrazakhan.com

بعد دولت کدے پر تشریف لائے۔ خلافت عطا فرمانے کے لیے آپ نے مطبوعہ اجازت نامہ طلب فرمایا۔ مجھ سے میرے والد محترم کا نام پوچھا۔ میں اس خیال سے گھبرایا ہوا تھا کہ خلافت کی عظیم ذمہ داری کس طرح نباہ سکوں گا؟ میں اس کا اہل نہیں ہوں، اس گھبراہٹ اور خوف کے عالَم میں زبان سے نام کے بجائے والد مرحوم کی عرفیت ''ناتواں خاں'' نکل گئی۔ چہرۂ اقدس پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے اور فرمایا ''بھلا یہ کیا نام ہوا'' میں نے عرض کیا حضور ان کا اصل نام عبدالحمید ہے۔ پھر آپ نے نہ صرف یہ کہ اجازت مرحمت فرمائی بلکہ آپ نے دستِ کرم سے سلاسلِ اربعہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ بھی تحریر فرمادیا۔ اس وقت درِ اقدس پر حضرت مولانا مفتی غلام محمد صاحب ناگ پوری اور ریحانِ ملت حضرت علامہ ریحان رضا صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہما موجود تھے۔

۱۹۷۲ء میں مولانا قاری حسین الدین صاحب جو غالباً گجرات کے رہنے والے تھے، عازمِ لندن ہوئے اور سرکار مفتی اعظم ہند کی بارگاہ میں بغرضِ سلام حاضر ہوئے۔ انھوں نے اپنے لندن جانے کا تذکرہ سرکار مفتی اعظم سے کیا۔ حضرت نے انھیں ایک تعویذ عطا فرمایا اور کہا کہ یہ فلاں صاحب کو بریڈ فورڈ میں دے دیجیے گا، انھوں نے بذریعہ خط درخواست کی ہے۔ مولانا حسین الدین صاحب تعویذ لے کر بے پایاں مسرور ہوئے اور لوگوں سے کہنے لگے، اب مجھے لندن جانے سے کوئی قانون نہیں روک سکتا۔ اب میں سرکار مفتی اعظم کی امانت پہنچانے جارہا ہوں۔ (خیال رہے کہ اس زمانے میں ویزا ان لندن ایئرپورٹ پر ملتا تھا اور بعض وقت مسترد بھی ہوجاتا تھا۔) اور ہوا بھی یہی وہ ایئرپورٹ پر اترے، ویزا آفیسر نے پوچھا کہ آپ کس لیے آئے ہیں؟ انھوں نے کہا تدریس کے لیے۔ کیا پڑھائیں گے؟ مولانا نے کہا قرآن شریف۔ اس نے کہا مجھے قرآن سنایے۔ آپ نے ایئرپورٹ پر سورۂ فاتحہ کی تلاوت کردی اور اس نے ویزا دے دیا۔ شاید برطانیہ کی تاریخ میں یہ سب سے انوکھا اور مختصر انٹرویو تھا۔ قاری صاحب اس کا تذکرہ زندگی بھر لوگوں سے فخریہ کرتے رہے۔

اولیاے کرام کی کرامتیں حق ہیں۔ حضور مفتی اعظم بلاشبہہ نہ صرف ایک ولی کامل تھے بلکہ ولی گر تھے۔ ان کی بارگاہ سے فیض یافتہ منصبِ ولایت پر فائز ہوتے تھے۔ اسی لیے ان کی ذاتِ گرامی سے کرامتوں کا صدور بھی حق ہے، مگر گذشتہ صدی میں ان سے زیادہ صاحبِ کرامت بزرگ کوئی اور نظر نہیں آتا۔ ان کی کرامتوں کے تذکرے کے لیے ہزاروں صفحات درکار ہیں۔ ان سے ملنے والا شاید ہی کوئی عقیدت کیش ہو جس کے سینے میں ان کی کوئی نہ کوئی کرامت محفوظ نہ ہو۔ مگر میرے نزدیک ان کی کرامتوں سے زیادہ اہم ان کے وہ عظیم اور تاریخ ساز کارنامے ہیں جنھوں نے اسلامیانِ ہند کے ایمان وعمل کی دُنیا میں ایک انقلاب برپا کردیا اور صبحِ قیامت تک امتِ مسلمہ اسی انقلاب کی برکتوں سے فیض یاب ہوتی رہے گی۔ مصائب اور مشکلات کے زمانے میں اُٹھنے والے فتنوں کا مقابلہ آپ نے جس ہمت واستقلال اور جرأت وبشاشت کے ساتھ کیا، یہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ آپ کے کردار وعمل اور جہاد فی سبیل اللہ سے ہزاروں مسلمانوں کو نئی زندگی ملی اور استقامت علی الدین کا حوصلہ ملا۔ بسا اوقات اولیاے کرام کے عقیدت کیش، کرامتوں کے ہجوم میں ان کی زندگی کے ان گوشوں کو فراموش کردیتے ہیں جن کا تعلق جہدِ مسلسل، سعیِ پیہم اور جہاد فی سبیل اللہ سے ہوتا ہے۔ سرکار مفتی اعظم اس اعتبار سے ایک تاریخ ساز شخصیت کے حامل تھے کہ آپ نے اپنے دور میں؛ جو کچھ کم ایک صدی پر مشتمل تھا، اُٹھنے والے تمام فتنوں کا مقابلہ کیا اور پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ ان گم راہیوں کا سدِ باب کیا جو مسلم معاشرے میں دَر انداز ہورہی تھیں۔ آپ نے اپنی تحریر وتقریر نیز حرکت وعمل سے

www.muftiakhtarrazakhan.com

الحاد و بے دینی کی کتنی ہی تحریکوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ ہماری نسل نے ان کا بڑھاپا دیکھا ہے، مگر جن لوگوں نے ان کا عہدِ شباب دیکھا ہے وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ صرف ایک عالم، ایک فقیہ، ایک ولی، ایک زاہدِ شب زندہ دار ہی نہیں بلکہ ایک عظیم مجاہد بھی تھے۔

مسلمانوں کے دورِ اقتدار میں داعیانِ دین نے دین کو پھیلایا، مگر حضور مفتی اعظم نے دین کو پھیلایا بھی اور دین پناہی کا فریضہ بھی انجام دیا۔ آپ نے اسلام کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت فرمائی۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ ''فقہا کے قلم کی سیاہی شہدا کے خون سے تولی جائے گی۔'' شہید۔ مملکتِ اسلامیہ کی جغرافیائی سرحدوں کے لیے جان دیتا ہے اور فقیہ اسلام کی نظریاتی سرحدوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔

ایک ایسے دور میں جب لوگ فرائض و واجبات کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ سرکار مفتی اعظم نے ان سنتوں کا احیا فرمایا جو نہ صرف یہ کہ لوگوں کی زندگی سے نکل چکی تھیں بلکہ ذہنوں سے بھی محو ہو گئی تھیں۔ آپ نے سینکڑوں سنتوں کو اپنے قول و عمل سے رواج عام دیا اور خود بھی **تمسک بالسنة** کا اہتمام فرماتے رہے۔ اور اپنے لاکھوں مریدوں کو بھی حکم دیتے رہے، بلاشبہہ آپ کو سینکڑوں شہدا کے ثواب سے نوازا جائے گا۔ اس لیے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيدٍ**۔

(مشکوٰۃ شریف، ج ۱، حدیث ۱۷۶، دار الفکر، بیروت)

جس نے فسادِ اُمّت کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ سرکار مفتی اعظم کا دور مسلمانوں کے سیاسی اور مذہبی انحطاط اور زوال کا دور تھا، حکومتیں مٹ چکی تھیں، انگریزوں نے پورے ملک پر قبضہ کر لیا تھا اور مسلمانوں کے عقیدہ و ایمان پر ہر چہار جانب سے حملے ہو رہے تھے، کہیں وہابیت کے باطل عقائد کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں سے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت چھیننے کی کوشش کی جا رہی تھی، تا کہ قومِ مسلم بے جان لاشے میں تبدیل ہو جائے ؎

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

اور کہیں قادیانیت، رفض و خروج اور نیچریت اپنے عقائدِ باطلہ کی اشاعت میں مصروف تھیں۔ ایسے دور میں امامِ اہلِ سنت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ نے ان فتنوں کی سرکوبی کے لیے دلائل کی جو سرحدیں تعمیر فرمائی تھیں، سرکار مفتی اعظم نے زندگی کی آخری سانس تک ان کی حفاظت فرمائی۔

پیرانِ طریقت اور مشائخ کے ہجوم میں سرکار مفتی اعظم کی ذات اس اعتبار سے بہت ممتاز ہے کہ ان کے مریدین میں بیش تر علماے ملتِ اسلامیہ ہیں، کہ عالم میزان علم و عمل پر پورا اُترنے کے بعد ہی کسی شیخ کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دیتا ہے۔ یہ مرشدِ برحق حضور مفتی اعظم کا روحانی تصرف تھا کہ جس نے بھی ان کے ہاتھوں میں ہاتھ دیا وہ حق کے راستے میں جہاد فی سبیل اللہ کا آئینہ دار بن گیا۔

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں فتنۂ ارتداد (شدھی سنگھٹن) اپنی پوری قوت کے ساتھ تمام مادی وسائل سے مسلح ہو کر

www.muftiakhtarrazakhan.com

اسلام پر حملہ آور ہوا۔ ہندوؤں نے یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ ہندوستانی مسلمان اصلاً ہندو ہیں، مغلوں نے انھیں بہ زورِ شمشیر مسلمان کیا تھا، اب مغل ختم ہو چکے ہیں، اس لیے ان کو اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آنا چاہیے۔ آگرہ وغیرہ کے ہزاروں مسلمان ہندو بن گئے۔ انھوں نے معاذ اللہ داڑھیاں منڈا دیں اور سر پر چوٹیاں رکھنے لگے۔ اس فتنۂ ارتداد کو ہندوؤں کے پنڈت، سرمایہ دار اور راجاؤں کا ہر طرح سے تعاون حاصل تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ چند سالوں میں مسلمانانِ ہند؛ ہندو بن جائیں گے، اور اس طرح ان کے اکھنڈ بھارت اور رام راج کا دیرینہ خواب پورا ہو سکے گا۔ ہندو ساہوکاروں نے اپنی تجوریوں کے منھ کھول دیے اور غریب مسلمانوں کو دولت کی لالچ دے کر ہندو بنانے لگے، اور جن علاقوں میں مسلمان ہندو بننے کے لیے تیار نہیں ہوئے، اُن پر مظالم کے پہاڑ توڑے جانے لگے۔ دَر پردہ اس میں حکومتِ وقت بھی ملوث تھی، جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اس طرح سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر تحریکِ آزادی کا راستہ بھی روکا جا سکے گا اور مسلمانوں کی متحدہ قوت کو کم زور بھی کیا جا سکے گا۔

اسی زمانے میں متعدد پنڈتوں نے اسلام کے خلاف انتہائی دل آزار کتابیں لکھیں جس میں اسلام کے عقائد، قرآن عظیم اور پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ کا مذاق اڑایا گیا۔ سوامی شردھانند کی ''ستیارتھ پرکاش'' اور ایک اور گستاخ کی کتاب ''رنگیلا رسول'' اس دور کی پیداوار تھیں، سب سے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ علماے دیوبند اور ان کے ہم خیال مسلم سیاست دانوں نے اسی دور میں انگریزوں کے مقابلے میں ہندو مسلم اتحاد کی تحریک چلائی اور سوامی شردھانند جیسے گستاخ کو دلی کی جامع مسجد کے منبر پر بٹھا کر تقریریں کروائیں اور فتنۂ ارتداد سے یکسر آنکھیں بند کر لیں۔

ہندو مصنفین نے اس دور میں دست یاب قرآن عظیم کے تراجم کو سامنے رکھ کر اس طرح کے عنوانات اپنی کتابوں میں قائم کیے۔

معاذ اللہ۔ مسلمانوں کا خدا مکار ہے۔

اور نیچے وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۝ (آل عمران: ۵۴)

لکھ کر دیا بنہ کے ترجمے پیش کر دیے جنھوں نے عربی مکر کا ترجمہ اردو میں بھی ''مکر'' ہی سے کیا تھا۔

''مسلمانوں کا خدا ٹھٹھا کرتا ہے۔'' اس سرخی کے نیچے اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ (البقرۃ: ۱۵) والی آیت لکھ کر استہزا کا وہ ترجمہ لکھا جو اس دور میں بعض تراجم میں موجود تھا۔ ایسے نازک ترین دور میں فتنۂ ارتداد کے خلاف حضور مفتی اعظم نے سنتِ صدیقی پر عمل کرتے ہوئے ایک عظیم تحریک چلائی۔ جماعت رضاے مصطفی کے پلیٹ فارم پر اکابر علماے اہلِ سنت کو جمع فرمایا، متاثرہ علاقوں کا دورہ فرمایا۔ پنڈتوں سے مناظرے کیے، اور بعض بعض علاقوں میں کئی کئی ماہ خیمہ زَن رہ کر ارتداد کے سیلِ رواں کو روکا، مرتد ہو جانے والے مسلمانوں کو دوبارہ دائرۂ اسلام میں داخل فرمایا۔ آپ کی جماعت کے ساتھ کچھ حجام بھی ہوتے تھے، جو دوبارہ اسلام قبول کرنے والوں کے آثارِ ہندومت کو سروں سے غائب کر دیتے تھے۔

یوں تو جملہ علماے اہلِ سنت حضور مفتی اعظم کے زیرِ قیادت اس جہادِ عظیم میں شامل تھے، مگر اعلیٰ حضرت کے چند عظیم خلفا حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیر بیشۂ اہلِ سنت مولانا حشمت علی خان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا قطب الدین برہمچاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مناظرانہ طرزِ استدلال سے حالات کا رُخ بدل دیا۔ اس

www.muftiakhtarrazakhan.com

تحریک میں پنجاب کے ایک عظیم شیخِ طریقت عاشقِ رسول حضرت علامہ پیر جماعت علی محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا سرکار مفتی اعظم کی دعوت پر اپنے رضا کاروں کے ساتھ جو ہمیشہ مسلح ہوتے تھے ان علاقوں کا دورہ فرمایا، اور اپنی نظرِ کیمیا اثر سے ارتداد کے فتنے کو ختم فرمایا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مفتی اعظم کا عہدِ شباب تھا اور ان کی دعوت پر اور ان کی قیادت میں معمر علما نے اس جہادِ عظیم میں شرکت فرمائی۔

اس دور میں دوسرے تراجمِ قرآن کے مقابلے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ترجمۂ قرآن عظیم نے ایک اہم رول ادا کیا۔ فتنۂ ارتداد کا استیصال حضور مفتی اعظم کی حیاتِ مبارکہ کا ایک عظیم باب ہے۔

علماے اہلِ سنت اور مشائخ عام طور پر یا تو خانقاہوں سے وابستہ رہے، یا درس گاہوں سے۔ انھوں نے سیاست کو شجرِ ممنوعہ قرار دے کر ہمیشہ خود کو میدانِ سیاست سے دور رکھا، جس کی وجہ سے انھیں مختلف ادوار میں شدید نقصانات برداشت کرنے پڑے لیکن سرکار مفتی اعظم نے بوقتِ ضرورت بعض سیاسی امور پر امتِ مسلمہ کو جمع فرمایا اور مرادآباد نیز بنارس کانفرنس میں سرحد سے لے کر بنگال تک تمام علما نے جمع ہو کر اپنے متفقہ فیصلوں سے حکومتِ وقت کو آگاہ کیا، جس کے مثبت نتائج بھی برآمد ہوئے۔

انھوں نے برتھ کنٹرول اور مسلم پرسنل لا کے معاملے میں شریعتِ مطہرہ کا جو فیصلہ صادر فرمایا اس پر ملک کے ہزاروں علما نے تائید فرمائی اور ایک آواز ہو کر حکومت کے غیر اسلامی فیصلوں کا مقابلہ کیا۔

سرکار مفتی اعظم کی شخصیت جملہ علماے اہلِ سنت اور جملہ سلاسلِ طریقت کے مشائخ کے لیے مرجع فتاویٰ اور عظیم قائد کی حیثیت رکھتی تھی، ان کے ہر فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا علما و مشائخِ ملتِ اسلامیہ کا معمول تھا، وہ ایک عظیم ولی، عظیم قائد، عظیم مجاہد اور مرجع فتاویٰ تھے؛ ان کی زندگی ہر دور کے مسلمانوں کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔

☆☆☆

gmrazvi92@gmail.com